زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ

اور دینی اداروں اور تحریکات کا مسئلہ ●

سلطان احمد اصلاحی

زکوٰۃ کے مصرف 'فی سبیل اللہ' پر بحمداللہ اردو زبان میں طبع زاد اور ترجمہ شدہ ایک سے زائد مضامین اور کتابیں آچکی ہیں[۱]۔ اس مقالے میں خاص طور پر ہندوستان اور اس جیسے ممالک کے پس منظر میں بالخصوص اس کی حنفی تشریح کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے اس کے ایک امکانی مصرف دینی اداروں اور تحریکات سے متعلق بعض ان پہلوؤں پر گفتگو کرنی مقصود ہے جو اپنی ناقص رائے کی حد تک مذکورہ کتابوں اور مقالات میں تشنہ محسوس ہوتے ہیں۔

معلوم ہے کہ زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ پر حضرت امام ابوحنیفہؒ سے براہ راست کوئی قول منقول نہیں۔ امام محمد کی کتاب الاصل میں اس کے دیگر مصارف کے برعکس خاص اس مصرف میں استاد و شاگرد کا کوئی جواب منقول نہیں[۲]۔ فقہ حنفی کے بعد کے متون میں اس کی تشریح 'منقطع الغزاۃ' سے کی گئی ہے[۳]۔ جس سے مراد اسلامی لڑائی کے وہ بچھڑے خواہش مند ہیں جو سواری اور سامان سفر کی کمی کے باعث ایسے غازیوں کے قافلے میں شرکت سے قاصر ہوں۔ بعد میں اس کی شرح میں یہ رائے حضرت امام ابویوسفؒ کی قرار دی گئی ہے۔ جس کے ساتھ حضرت امام محمدؒ کی اس رائے کا اضافہ ہے کہ اس سے مراد وہ بچھڑا حاجی ہے جو انہی اسباب سے قافلہ حجاج میں شامل ہونے سے رہ جائے[۴]۔ اسلامی لڑائی لڑنے والے 'غزاۃ' کی مذکورہ تشریح میں اس کے ساتھ فقر و احتیاج کی شرط

● اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے پانچویں کل ہند فقہی سمینار منعقدہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ ۳۰ر اکتوبر تا ۲ر نومبر ۱۹۹۲ء کے لیے لکھا گیا یہ مقالہ سمینار مذکور میں خلاصۃً پیش کیا گیا (س)

کا اضافہ ہے۔ چنانچہ اگر یہ لڑائی لڑنے والے مالدار ہوں تو ان کے اوپر زکوٰۃ کی رقم کا خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس لیے کہ حضرات حنفیہ زکوٰۃ کے جملہ مصارف میں فقر و احتیاج کو شرط کی حیثیت حاصل ہے[۵۹] اس کے ساتھ ہی حضرات حنفیہ کے یہاں چونکہ اس کی جملہ مدات کی نسبت سے ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک ایک رکن لازم کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے فی سبیل اللہ کے مد کی امکانی توسیع سے اس رکن کے معدوم ہونے کے سبب مسجد کی تعمیر، میت کے کفن یا اس کے قرض کی ادائیگی وغیرہ جیسے بہت سے دوسرے نیکی اور بھلائی کے کام زکوٰۃ کی مد سے انجام نہیں دئے جا سکتے[۶۰] اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی میں احتیاج کی شرط کے ساتھ ایک رائے 'فی سبیل اللہ' میں وسعت کی ہے۔ چنانچہ صاحب بدائع الصنائع امام کاسانی م ۵۸۷ھ اس میں تقرب خداوندی کے تمام کاموں کو شامل قرار دیتے ہیں۔ جس کے لحاظ سے بشرط احتیاج اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں محنت کرنے والے تمام طرح کے لوگ اس میں شامل ہیں[۶۱] فقہ حنفی کے دوسرے مختلف اور متعدد فتاویٰ اس پر مستزاد ہیں جن میں فقر و احتیاج کی شرط کے ساتھ نیز اس کے بغیر بھی علم دین اور خدمت دین میں مشغول لوگوں کو اس کا نمایاں بلکہ بسا اوقات سب میں قابل ترجیح مصرف قرار دیا گیا ہے[۶۲] لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں اس مسلک کی نمائندہ جمعیۃ العلماء ہند اور اس کی کسی قدر نمائندہ تبلیغی جماعت میں زکوٰۃ کی رقم کے طریقۂ صرف کا ہمیں بہت زیادہ علم نہ ہوکر، ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے برصغیر میں جہاں تک اس مسلک سے التزام رکھنے والے مدارس عربیہ کے نظام کا سوال ہے جس سے غالباً بریلوی حضرات کے مدارس کا استثناء نہ ہوگا کہ التزام ان کا بھی فقہ حنفی ہی سے ہے، یہ مدارس 'فی سبیل اللہ' کی مد میں اس توسیع کے قائل نہیں جس کے نتیجے میں ان کے ہاں یہ رقم براہِ راست اسٹاف کے مشاہروں اور تعمیرات وغیرہ کی ضروریات میں صرف نہ ہوکر اسے خالص فقر و احتیاج کی شرط کی تکمیل کرتے ہوئے نادار طلبہ دینیہ کا حق سمجھا جاتا ہے۔ احتیاج کی اس شرط کے ساتھ چونکہ تملیک ادائیگی زکوٰۃ کا دوسرا رکن ہے اس لیے اس کے تقاضے کی تکمیل کے لیے مدرسہ کے خزانے میں نقد رقم اور غلے کو داخل کرنے سے قبل ایسے ایک یا چند طلبہ کو حقیقۃً نہیں بلکہ حیلے کے طور پر منٹ دو منٹ کا مالک بنایا جانا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ جس کے بعد مہمانان

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدرسہ کی دیگر ضروریات میں بھی زکوٰۃ کی رقم کے صرف کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلک حنفی سے شدید التزام نہ رکھنے والے بعض مدارس میں اگر 'تملیک' کے اس حیلے پر عمل نہ ہو تو عام اعانتوں کے ساتھ مدرسہ کی زکوٰۃ کی مخلوط مالیات سے اس مسلک پر عامل اساتذہ کو اپنے مشاہرے قبول کرنے میں سخت تامل اور تردد ہوتا ہے۔ جس کے لیے وہ اپنے کو ایک طرح سے حالت اضطرار ہی میں شمار کر پاتے ہیں[۴۸]۔ خدمت دین کے لیے وقف دیگر علمی اور دینی اداروں کے فی سبیل اللہ کا امکانی مصرف ہونے کے ساتھ ہمارے مقالے کی اصل دلچسپی مدارس عربیہ کی اسی مذکورہ صورتِ حال سے ہے۔ ذیل میں اس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی جاتی ہے۔

امبنی بر حیلہ تملیک کے اس طریقے کا مدارس عربیہ کے حق میں یہ صریحی نقصان تو ہے ہی کہ موسم میں چندے کے ۵۰،۱۲۵ کوئنٹل غلے کو اس کے منٹ دو منٹ کے مالکوں سے مدرسہ کے اساتذہ و اسٹاف سستے دام میں خرید لیتے ہیں۔ بعد میں یہی مدرسہ اپنی ضرورت سے کھلے بازار غلہ مہنگے دام پر خریدتا ہے جس کی گرانی ماہ بہ ماہ بڑھتی ہی جاتی ہے[۴۹]۔ مدارس کے نادار طلبہ کو خیر اس کی ہمت بھی کیا ہو سکتی ہے لیکن اگر وہ چاہیں بھی کہ اس کے حقیقی مالک بن کر وہ اس غلے کو محفوظ کر کے اسے حسب ضرورت مدرسہ کو سستے دام پر فروخت کرتے رہیں تو اس لئے گودام اور اسٹور روم کی ضرورت ہے جو ظاہر ہے ان مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بس کی بات نہیں ہے۔
لیکن مدارس کے حق میں اس مادی اور مالی نقصان سے بڑھ کر اس کا اصل خسارہ دینی اور نفسیاتی پہلو سے ہے۔ جن نوجوانوں کی اٹھان مکر و فریب کی اس فضا میں ہوگی اپنی آئندہ زندگی میں ان سے بے لوث امانت و دیانت، اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاق کی توقع مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔ ہندوستان میں امارت و خلافت کا نظام قائم نہ ہو کر اگر اپنے دائرے میں مدارس کے ذمہ داران اور ان کی مختلف کمیٹیوں کو امرار و حکام کا قائم مقام مان کر تملیک کے مذکورہ نامطلوب طریقے کو لازم نہ کرتے ہوئے زکوٰۃ کی ان حضرات تک نفس حوالگی سے اس کی ادائیگی ہو جائے تو مصالح مدرسہ میں وہ اسٹور اور گودام بنا کر اس کی سال بھر کی ضرورت سے غلہ کو محفوظ کریں

جس سے فیس خوراک کم ہو کر غیر مستطیع طلبہ کے ساتھ مستطیع طلبہ کا دائمی طور پر بھلا اور فائدہ ہو۔
۲۔ پھر تملیک کے اس طریقے میں یہ بات آپ سے آپ مضمر ہے کہ زکوٰۃ اسلامی حکومت کے بیت المال یا اس سے قائم مقام مراکز میں اجتماعی طور پر وصول اور اسی طریقے پر تقسیم نہ ہو کر صاحب نصاب کی طرف سے انفرادی طور پر دی جائے اور مستحق کی طرف سے اسی طرح وصول کی جائے۔ جبکہ قرآن وسنت کے واضح اشارات "والعاملین علیہا" اور "توخذ من اغنیائہم فترد علی فقراءھم"[۱۰] اس کے ساتھ ہی صدر اول کا معیاری عمل اس کے حق میں ہے کہ زکوٰۃ اجتماعی طور پر وصول کی جائے اور اسی طرح تقسیم کی جائے۔ خیر سے ابو عبید اور امام مالک کے ساتھ خاص طور پر اموال ظاہرہ کے سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اسی خیال کے قائل بھی ہیں کہ اموال ظاہرہ کی وصولی اور ان کی تقسیم کا حق صرف اور صرف مسلمانوں کے امام اور خلیفہ کو حاصل ہے[۱۱]۔ اس کی دلیل میں وہ سورہ توبہ کی آیت کریمہ ۱۰۳ "خذ من اموالہم صدقۃ تطہرھم وتزکیہم بہا" کے ساتھ وہ سیدنا ابوبکرؓ کے اس طرز عمل کو پیش کرتے ہیں جس میں آپ نے مانعین زکوٰۃ سے طاقت کے زور پر اس کی وصولی کی دھمکی دی اور اس کے لیے یہ یادگار الفاظ آپؓ کی زبان سے ادا ہوئے
"لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتہم علیہا"
اور حضرات صحابہؓ میں سے کسی نے آپ کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا[۱۲]۔ یہاں تک کہ سلف میں سے حضرات شعبی، محمد بن علی، ابو رزین اور اوزاعیؒ صدقہ فطر کو بھی امام وقت کے حوالہ کر دینے سے ظاہری اور باطنی ہر طرح سے اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، جبکہ محتاج کو براہ راست حوالہ کرنے سے باطنی طور پر اس کی ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا مستحق نہ ہو۔ اس کا یہ فائدہ اس پر مستزاد ہے کہ اس طرح وہ شبہے اور اختلاف سے بچ نکلے گا اور اس کے اوپر کسی قسم کی تہمت اور الزام نہ دھرا جا سکے گا[۱۳]۔ اوپر کی گفتگو سے حضرت امام اعظمؒ کی طرف سے اموال باطنہ کے امام وقت کے حوالے نہ کیے جانے کا جواز نکلتا ہے۔ جبکہ حضرت امام احمد بن حنبل اموال ظاہرہ و باطنہ کے کسی فرق سے مطلق زکوٰۃ کو ذاتی اور انفرادی طور پر ادا کرنے کے استحباب کے قائل ہیں اور حضرت امام شافعی سے دونوں کے حق میں رائے منقول ہے[۱۴]۔ کوئی شک نہیں کہ ان حضرات کی یہ رائے اپنے زمانہ میں امراء

ولاۃ کے بگڑ جانے اور ان کے امانت و دیانت کے معیار مطلوب پر باقی نہ رہنے کے باعث ہی وجود میں آئی۔ ورنہ جیسا کہ گزرا قرآن و سنت کے واضح اشارات زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے حق میں ہی ہیں۔ اور جبکہ مدارس دینیہ کے ذمہ داران کی امانت و دیانت پر اعتماد کر کے ہی زکوٰۃ و صدقات کی رقم ان کے حوالہ کی جاتی ہے تو اس صورت میں ان کی حوالگی کے ساتھ اس کے ادا نہ ہو جانے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں اور کم سے کم اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے اور جبکہ دوسرے مصالح اس کا شدید تقاضا کرتے ہوں تو وصولی زکوٰۃ کے اسی طریقے کو زیادہ بہتر اور قابل ترجیح ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ ذمہ داران مدارس یا ذمہ دار اور قابل اعتبار تحریک کے بیت المال میں جمع ہو گئی تو دینے والے کا ذمہ اس سے ساقط ہو گیا اور حقیقۃً تو نہیں حکماً تملیک ہو گئی۔ اب مدرسے اور ادارہ و تحریک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے مناسب مصارف میں اس کو صرف کرے۔ ہر حال میں انفرادی براہِ راست تملیک پر اصرار بسا اوقات مستحق کی عزت نفس کو مجروح کرنا ہے جو قرآن و سنت کے منشاء کے صریح خلاف ہے۔ خاص طور پر تبلیغ دین اور دعوت دین کے کاموں کے پس منظر میں تو زکوٰۃ کے اس اجتماعی نظام کی ضرورت اور اہمیت ہے ہی آج کے حالات میں دین سے فرار کے ساتھ زکوٰۃ سے پہلوتہی کی صورت میں بھی اس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کے فضل سے مطلوبہ اسلامی حکومتوں کے احیاء کے اس دور میں یوں بھی اجتماعی زکوٰۃ کی صورت ہی حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔ زکوٰۃ کی رقم سے محروم ہو کر کوئی اسلامی حکومت بہت مشکل سے اپنی مطلوبہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ اس سے ہٹ کر بسا اوقات کسی بستی میں موسم میں براہ راست مستحقین کو غلہ کی کوئی مقدار یا رقم دینے کے بجائے بہت سے مستحقین کے حق میں ماہ بہ ماہ اس رقم کی چک کا مل جانا زیادہ مفید مطلب اور قرین مصلحت ہو سکتا ہے۔

۴۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندوستان میں جماعت دیوبند کے سرخیل فخر قوم و ملت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ 'فی سبیل اللہ' میں توسیع کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ اصل و معاون علوم دینیہ کی تحصیل کو اعلاء کلمۃ اللہ سے بھی بڑھ کر 'فی سبیل اللہ' کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ حضرت نے اپنے مجموعۂ مضامین 'فرائد قاسمیہ' میں اعلاء

کلمۃ اللہ اور ردعقائد باطلہ کے پاک جذبے سے مدارس عربیہ میں منطق وفلسفہ کی تعلیم کی اہمیت وضرورت پر ایک مستقل مضمون لکھا ہے اور ایک پر ایک دلائل سے ان لوگوں کے خیال کی تردید کی ہے جو مطلق منطق وفلسفہ کی تعلیم کے عدم جواز کے قائل اور اسی نسبت سے ان میں مشغول مدارس میں چندہ دینے کو بھی ناجائز خیال کرتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے حجت قاسمی کے آئینہ دار اس مضمون کے دیگر حصوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم صرف 'فی سبیل اللہ' سے براہ راست متعلق حصے کو حضرت کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب خیال کرتے ہیں: "اشاعت علوم ربانی اور تائید عقائد احکام مقامی من جملہ فی سبیل اللہ ہے بلکہ فی سبیل اللہ میں یہی اول درجے کا۔ اس لیے کہ قوام وقیام دین بے علوم دین وتائید علوم دین ورد عقائد مخالفہ عقائد دین متصور نہیں۔ اگر تمام عالم مسلمان ہو جائے تو اعلائے کلمۃ اللہ کی حاجت نہیں پر علوم دین کی حاجت جوں کی توں رہتی ہے۔ غرض دین کے حق میں اصل اور محتاج الیہ اور ضروری علم دین سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اس لیے اس کی تائید اور ترویج میں صرف کرنا اعلیٰ درجہ کا فی سبیل اللہ ہے[۱۵]۔ آگے اسی سلسلے میں مزید صراحت سے فرماتے ہیں:

جب یہ سب باتیں ذہن نشین ہو چکیں تو اب اس کی کیا حاجت ہے کہ ایسے مدرسہ کے طالب علموں کو زکوٰۃ دیجئے یا نہ دیجئے ہر شخص سمجھ گیا ہوگا کہ ان کا دینا فی سبیل اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن میں مصارف زکوٰۃ کے بیان میں ذوی الارحام کا ذکر نہیں فرمایا۔ ان کے دینے کی فضیلت اگر ہے تو احادیث میں ہے اور فی سبیل اللہ خود قرآن میں بیان مصارف میں موجود ہے اس لیے بایں وجہ کہ قرآن شریف حدیث شریف پر مقدم ہے فی سبیل اللہ والے[۱۶] جیسے وہ طالب علم مثلاً جو علوم دین پڑھتے ہوں یا بطور مذکور الصدر معقولات کو تحصیل کرتے ہوں ذوی الارحام پر مقدم ہوں گے علاوہ بریں عقل اگر سلیم ہو تو اس پر شاہد ہے کہ اپنی عزیزداری سے خدا کی واسطہ داری مقدم ہے۔ اپنوں سے اللہ والے اول ہی رہیں تو بہتر ہے اور بیشک وہ لوگ جو ذوق ایمان رکھتے ہیں خدا کے واسطہ داروں کو اپنے عزیزوں سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ انصاریوں نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اپنوں کے ساتھ کبھی نہ کیا ہوگا۔ رہے مہاجرین وہ اگر اپنوں کو مقدم رکھتے تھے تو ان کے اپنے بھی فی سبیل اللہ تھے۔ غرض ایسے

مدرسے کے طالب علموں کو دینا اپنوں کو دینے سے زیادہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے[۱۷]۔" اسی مضمون میں وہ ایک سے دو مثالوں میں ایسے طالب علموں کے ساتھ اہل اور مخلص اساتذہ و معلمین کو بھی اسی امداد و اعانت کا مستحق قرار دیتے ہیں[۱۸]۔ البتہ آخر میں وہ یہ ضرور فرماتے ہیں کہ: "مگر ہر چہ بادا باد تملیک شرط ہے اسی لیے چندہ[۱۹] تنخواہ مدرسین میں زکوٰۃ دی جائے گی تو زکاۃ ادا نہ ہو گی۔ ہاں مدرس کو کوئی دے یا طالب علموں کو بشرطیکہ وہ مصرف زکاۃ ہوں بعد تملیک ادا ہو جائے گی[۲۰]۔"

'فی سبیل اللہ' کی وسعت میں حضرت نانوتوی کی یہ فکر انگیز بحث فتاویٰ ظہیریہ اور دیگر فقہائے احناف کے فتاویٰ سے ہم آہنگ ہے جن میں علم دین اور اشاعت دین میں مصروف طلبہ اور علماء کو 'فی سبیل اللہ' کا مصداق بتایا گیا ہے اور اس طرح حضرت نانوتویؒ کا وزن اس کے زیادہ مشہور و متداول مصداق 'منقطع الغزاۃ' اور 'منقطع الحاج' سے ہٹ کر 'فی سبیل اللہ' میں توسیع کے قائلین کے حق میں ہے۔ لیکن آخر میں تملیک اور احتیاج کے شرط کے اضافہ میں وہ اسی مشہور و متداول رائے سے ہم آہنگ ہو گئے ہیں کہ بچھڑے ہوئے غازی اور ایسے ہی حاجی کے لیے استحقاق زکوٰۃ کے لیے تملیک اور احتیاج کی شرط ہے۔ اس کے بغیر انھیں اس کا جائز مصرف متصور نہ کیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کی عملی صورت کیا ہو۔ آج کے حالات میں کسی اوسط درجے کے مدرسہ کا بجٹ بھی ۱۰، ۱۵ لاکھ سے کم کا نہیں ہوتا ہے۔ دیانتدارانہ تملیک کا تقاضا ہے کہ مدارس کے نادار طلبہ کے ساتھ بدرجہ اتم فقر و احتیاج کی شرط کو ۷۰ فی صد سے زائد تناسب میں ان کے اساتذہ و اسٹاف کو ۱۵ لاکھ میں سے مثلاً ۱۰ لاکھ کی رقم حصہ مطابق یکمشت تقسیم کر دی جائے۔ اس سے قطع نظر کہ بعض صورتوں میں استاذ تین ماہ بعد استعفا دیکر اور طالب علم کس بہانے سے مدرسہ سے رفوچکر ہو جائے 'فی سبیل اللہ' میں حقیقی تملیک کے ساتھ فقر و احتیاج کی شرط کو جوڑا نہ جائے جیسا کہ دوسرے علماء کے علاوہ بہت سے فقہاء حنفیہ کا بھی یہی خیال ہے[۲۱] تو ذمہ داران مدارس و ادارہ و تحریکات کو زکوٰۃ کی رقم کی حوالگی سے اس کی ادائیگی ہو یہ حضرات حسب مصالح اس کے مصداق طلبہ و اساتذہ اور علماء و اسکالرس پر اس رقم کو صرف کریں جس کی سب سے بڑی ضرورت اس پہلو سے کہ اگر مدرسہ میں اعانت اور عام صدقات کی رقم تنخواہ

اساتذہ وملازمین کے لیے کفایت نہ کرے تو تملیک کا حیلہ کیے بغیر خالص زکوٰۃ کی رقم سے اساتذہ واسٹاف کے مطلوبہ مشاہرے وقت پر ادا کیے جاسکیں۔ جبکہ عام طور پر دینی مدارس اور دینی اداروں کو شاہی عمارتوں کے شوق میں اساتذہ واسٹاف کی تنخواہوں کو قلیل سے قلیل رکھ کر زکوٰۃ کے مد کی رقم اس میں صرف نہ کرکے ہر وقت فنڈ کی کمی کی شکایت اور اس کا رونا رہتا ہے۔

۴۔ حضرت قاسم العلومؒ نے 'فی سبیل اللہ' کی وسعت میں مخلص طلبہ مدارس کے ساتھ ان کے ایسے ہی اساتذہ کو بہت ہی دبے انداز میں شامل مانا ہے۔ حالانکہ شریعت کے مسلمہ اصول 'مالایتم الواجب الابہ فہو واجب'[۲۲] کا تقاضا ہے کہ خدمت دین کی مہم میں مصروف طلبہ واساتذہ کے ساتھ مدارس کے جملہ اسٹاف یہاں تک کہ باورچی اور چپراسی کا بھی اس سے استثناء نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی 'فی سبیل اللہ' میں فقہ حنفی کی فقر واحتیاج کی شرط بھی کچھ بہت زیادہ وزن دار نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس سے جیسا کہ کہا گیا ہے[۲۳] مصارف زکوٰۃ کی ایک اہم ترین دفعہ کی عملاً تنسیخ لازم آتی ہے۔ اگر ہر حال میں استحقاق زکوٰۃ کے لیے فقر واحتیاج شرط لازم ہو تو زیر بحث مد کے سب سے معروف مصداق غازی اور غیر غازی کے فرق کی ضرورت ہی کیا ہے۔ فقراء و مساکین تو زکوٰۃ کے اولین مصرف ہیں ہی اس کے استحقاق کے لیے ان کے غازی اور حاجی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ 'فی سبیل اللہ' کی اس مطلوبہ وسعت میں حفاظت دین اور اشاعت دین کے مقدس کام میں مصروف جس کے نتیجے کے طور پر اعلاء کلمۃ اللہ کا سامان ہو مدارس، ساتھ ہی ایسے ہی دیگر ادارے اور تحریکات سے وابستہ جملہ اسٹاف وکارکنان کی شمولیت کے پہلو بہ پہلو اگر اس کے لیے فقر واحتیاج کی شرط لازم نہ رہ جائے تو ہندوستان میں مبنی بر حیلہ تملیک سے آزاد ہو کر دینی مدارس، اداروں اور تحریکات کے لیے دین کے کام موثر اور منظم طور پر انجام دینے کی راہ بہت آسان ہو جائے۔ مخلص کارکنوں کو معقول مشاہرے اور مناسب سہولیات فراہم کی جاسکیں جس سے وہ پوری یکسوئی اور دل جمعی سے اعلاء کلمۃ اللہ پر منتج حفاظت دین اور اشاعت دین کے لیے اپنے کو وقف کرسکیں۔ ساتھ ہی اس سے اداروں اور تحریکات میں نامطلوب اعزازی نظام کو توڑنے میں مدد ملے جو ہندوستان کے موجودہ حالات

میں ان کے لیے بالکل بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ باصلاحیت، حوصلہ مند اور وضع دار ذمہ داران مدارس و تحریکات قلیل مشاہروں پر کام نہیں کر سکتے اور فی سبیل اللہ کی عدم وسعت سے زکوٰۃ کی مد سے اس کے امکانی اضافے کو قبول نہیں کر سکتے۔ نتیجے کے طور پر اداروں کے مفادات مجروح ہوتے اور ان کی کارکردگی غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی ہے۔ اداروں کے جیسے نظام کا تقاضا ہے کہ ذمہ داران ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں اور دن رات کے چوبیس گھنٹے بھی ان کے لیے ان کے کام کی نسبت سے ناکافی ہوں۔ اداروں کے کام سے وہ اس طرح تھکیں کہ کوئی دوسرا کام کرنے کے قابل نہ رہیں۔ جبکہ اعزازی نظام میں وہ کسی وقت کے پابند نہ ہو کر متعلقہ اداروں کو وہ اپنی اتفاقیہ تشریف آوری سے ہی نوازپاتے ہیں۔ اُس پہلو سے دینی اداروں اور تحریکات کے بے لاگ سروے کے بعد بسا اوقات ان کی تشویشناک صورت ہی سامنے آسکتی ہے۔

(۵) 'فی سبیل اللہ' میں وسعت کے غیر قائلین کی طرف سے ایک بات 'انما' کے حصر کی بھی کہی جاتی ہے کہ اس وسعت اور عموم سے آیت میں مذکور 'حصر' کا فائدہ ختم ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ کہ خدمت دین کے لیے وقف اداروں اور تحریکات 'فی سبیل اللہ' کی وسعت میں جس کے ہم قائل ہیں۔ اس کے حق میں براہ راست مصرف علماء و فقہاء، کے حق میں خود فقہ حنفی کے ایک سے زائد فتاویٰ موجود ہیں۔ یہاں تک کہ دور آخر میں حضرت نانوتوئیؒ کے رتبے کی شخصیت بھی اپنی شرطوں کے ساتھ اس کی قائل ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ لیکن اس میں مزید توسع کے قائلین ہیں جن کے ہاں اس کے اندر نیکی اور بھلائی کے تمام طرح کے کام مردوں کی تکفین، پلوں، قلعوں اور مساجد کی تعمیر وغیرہ سب شامل ہیں[۲۴]۔ صحیح بات یہ ہے کہ توسع کی اس صورت میں بھی 'حصر' کا فائدہ ختم نہیں ہوتا۔ فقہ حنفی کے لحاظ سے بھی، جہاں مالک کے لیے ایک ہی وقت میں اپنی زکوٰۃ کو اس کے تمام مصارف میں دینا ضروری نہیں ہے۔ وہ حسب منشا زکوٰۃ کو اس کے جملہ مصارف میں دے سکتا ہے اور کسی ایک ہی مصرف پر اکتفا بھی کر سکتا ہے[۲۵]۔ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کی صورت میں اس کے متعلقہ ذمہ دار انتہائی سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہیں کہ حکومت اور معاشرے کی

مصلحت سے مناسب تناسب سے زکوٰۃ اپنی جملہ مدات میں صرف ہو کر کسی مد کے ساتھ بے انصافی اور اس کو نظر انداز کرنے کی صورت پیدا نہ ہو سکے۔ انفرادی ادائگی کی صورت میں بھی ذمہ دار سمجھدار مسلمان سے امید کی جاتی ہے کہ سماج اور معاشرے کی ضرورت سے مناسب مدات میں زکوٰۃ کے صرف سے نقصان اور بے اعتدالی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ ورنہ 'حصر' کا نقصان تو اس صورت میں بھی ہو سکتا ہے، جبکہ فقہ حنفی میں اپنی پوری زکوٰۃ کو ایک ہی مد میں صرف کرنے کی گنجائش ہے، کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنی کل زکوٰۃ کو صرف ایک یا دو مدات میں صرف کرکے باقی مدات کو نقصان وضرر کے لیے مستقل طور پر کھلا چھوڑ دے۔ توسع کے قائلین کے لیے بھی 'حصر' کا فائدہ بالکل واضح ہے اور وہ اس طرح کہ اپنی عام صدقے اور اعانت کی لاکھ دو لاکھ کی کل کی کل رقم کو آدمی کسی پل یا قلعے کی تعمیر میں صرف کرسکتا ہے۔ لیکن یہی رقم زکوٰۃ کی ہو کر 'فی سبیل اللہ' کے ساتھ اسے اس کے دوسرے مصارف میں بھی صرف کرنا ضروری ہوگا۔ جس کے لیے حالات کے تجزیہ سے اس کا مناسب اور موزوں توازن بسہولت قائم کیا جا سکتا ہے۔ توسع کے قائلین میں ایک امام رازی شافعی م ۶۰۶ھ بھی ہیں جو قفال کے حوالے سے اس کی طرف اپنا رجحان ظاہر کرتے ہیں[25] جبکہ امام شافعیؒ کا مسلک معلوم ہے کہ حضرات حنفیہ کے برعکس زکوٰۃ کی رقم کو ایک ہی وقت میں وہ اس کی جملہ مدات کے تین تین افراد پر صرف کرنا ضروری خیال کرتے ہیں[26]۔ آخر میں کانٹے کی بات یہ کہ آیت کریمہ میں إنّما کے حصر کا اصل زور منافقین کے اس مطالبہ کے پس منظر میں ہے کہ صدقات وعطیات کے اصل حق دار وہ ہیں، اسے کُل کا کُل ان کے حوالہ ہونا چاہیے جس سے کہ وہ حسب منشا جہاں چاہیں اسے صرف کرسکیں[28]۔ اس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ صدقات ان منافقین کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا حق ہیں جن کی اس زیر بحث آیت کریمہ میں صراحت ہے[29]۔

۶۔ آخری بات پر ہم گفتگو ختم کرتے ہیں۔ امت میں ان علماء کی کمی نہیں جو 'فی سبیل اللہ' میں توسع کے قائل ہیں۔ مخلص علماء وفقہاء اور طلبہ اور اساتذہ مدارس عربیہ کے حق میں بعض شرطوں اور پیش بندیوں کے ساتھ خود حضرات علماء احناف کی آراء اور فتاویٰ موجود ہیں[30]۔ جبکہ امت میں دوسرے حضرات اس میں مزید وسعت پیدا کرکے نیکی

اور بھلائی کے دوسرے بہت سارے کاموں کو اس میں شامل قرار دیتے ہیں[۳۱]۔ اور جو لوگ صراحت سے اس وسعت کے قائل نہیں انھوں نے بھی زکوٰۃ کے مجموعی مصارف کا جو تجزیہ کیا ہے اور اس کا جو محل متعین کیا ہے، اس سے بھی 'سبیل اللہ' کی مد میں وسعت کا صاف اشارہ نکلتا ہے[۳۲]۔ اس کا تقاضا ہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم اعلاء کلمۃ اللہ پر منتج خدمت دین اور اشاعت دین میں مصروف مخلص مدارس، اداروں اور تحریکات کو 'فی سبیل اللہ' کا ترجیحی مصداق قرار دیا جائے۔ خدمت دین کے ذکر سے ذہن فوراً عربی مدارس و جامعات کی طرف جاتا ہے۔ اپنی بہت ساری خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود ان کی اہمیت و افادیت اور ان کا اس مد زکوٰۃ کا اولین مصداق ہونا مسلم، لیکن خاص طور پر آج کے حالات میں اسلام پر تحقیق و ریسرچ کے مخلص اداروں اسی طرح احیاء اسلام کے لیے کام کر رہی مسلمان تنظیموں اور تحریکوں کا اس میں شامل نہ کیا جانا بڑی زیادتی اور بے انصافی کی بات معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں تو اسی نسبت سے مدارس عربیہ سے بڑھ کر ان کی اہمیت اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کی قید سے مدارس عربیہ کے لیے دوسرا مسئلہ بھی توجہ طلب ہے، ان کی مجموعی فضا اور مجموعی نظام اس کے ساتھ ہی سرزمین ہند میں ان کی کارکردگی اور ان سے نکلنے والی کھیپ اس مقصد کی کس درجہ آئینہ دار ہے۔ جن مدارس میں منطق و فلسفہ کی تعلیم ہو رہی ہے وہاں حضرت نانوتوی کے بقول اعلاء کلمۃ اللہ کا کام ان سے کس درجہ میں لیا جا رہا ہے۔ جن مدارس کے دوسرے مسلکی رجحانات ہیں ان کی سرگرمیاں اس گوہر مقصود سے کس درجہ ہم آہنگ ہیں۔ ساتھ ہی اس نسبت سے مسلمان تنظیموں اور جماعتوں کو بھی اسی پہلو سے اپنے کو تولنے اور اپنا احتساب کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کے بعد ہی وہ اپنے کو 'فی سبیل اللہ' کے مصرف زکوٰۃ کا مصداق قرار دے سکیں گی۔ ہندوستان سے باہر کی اسلامی تحریکات اور جماعتوں کے لیے بھی یہ بات اسی طرح صادق آتی ہے[۳۳]۔

'فی سبیل اللہ' کو بھڑے غازی کے ساتھ خاص کرنے سے عملاً ہندوستان جیسے ملکوں کے لیے اس مد کی منسوخی لازم آتی ہے۔ عالم اسلام کی نسبت سے بھی جبکہ آج تیار فوج کا رواج ہے یہ مد عملاً منسوخ ہی رہے گی جبکہ علماء دین میں کوئی اس مد کی منسوخی

یا موقوفی کا قائل نہیں ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اگر بھرٹا حاجی اس مد میں شامل ہے تو انشاء اللہ اللہ کے دین کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کرنے والوں کو اس کا مصداق قرار دینا خلاف حق اور منشاء خداوندی سے غیر ہم آہنگ نہ ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ۔

حواشی وحوالہ جات

لے مولانا محمد شہاب الدین ندوی کی ایک مفصل کتاب اور دوسرا رسالہ جو خاص اسی مسئلہ سے متعلق ہیں، بہ ترتیب" زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟' اور' کیا زکوٰۃ علماء کو دی جا سکتی ہے، شائع کردہ' فرقانیہ اکیڈمک ٹرسٹ، بنگلور، باراول ۱۹۹۰ء۔ مولانا سید احمد قادریؒ کے دو مضامین زکوٰۃ کا مصرف' و فی سبیل اللہ' اور' زکوٰۃ کی رقم سے تبلیغ دین' مشمولہ انجی حیات میں مرحوم کا ترتیب دادہ مجموعہ مضامین' عشر و زکوٰۃ اور سود کے چند مسائل' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار دوم ۱۹۸۲ء۔ نیز زکوٰۃ کے موضوع پر ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی دائرۃ المعارف کا اردو ترجمہ و تلخیص از جناب مولانا شمس پیرزادہ جس کا متعلقہ حصہ علٰحدہ کتاب کی صورت میں ہمارے پیش نظر ہے۔ زیر عنوان: مصارف زکوٰۃ، ناشر ادارہ دعوۃ القرآن، بمبئی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء۔ اس کتاب کے' فی سبیل اللہ' والے حصے کو مولانا سید احمد قادریؒ نے عرصہ پہلے زندگی نو میں اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا تھا کہ یہ اس موضوع پر ان کے اپنے مضمون کے مقابلے میں زیادہ مفصل اور جامع ہے۔ اس کے بعض نکات سے اختلاف کی گنجائش کے باوجود اپنی وسعت و جامعیت کے پہلو سے بلاشبہ اس کتاب کا یہ حصہ آج بھی بے نظیر ہے۔ لیکن بیدار مغز علماء اور ایسے ہی دینی اور علمی اداروں کی نسبت سے' فی سبیل اللہ' کے مصرف پر جو علمی اور تحقیق اور فکر انگیز گفتگو مولانا شہاب الدین ندوی کی مذکورہ کتابوں میں ہے حق ہے کہ اس خصوص میں انھیں فقہ الزکوٰۃ کے اس حصے پر واضح فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ مولانا قادریؒ کی کتاب کے لیے آئندہ، عشر و زکوٰۃ۔ مولانا ندوی کے رسالہ کے لیے: زکوٰۃ اور علماء اور ان کی کتاب کے لیے: زکوٰۃ کے مستحق۔

۲ دیکھئے: ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی م ۱۸۹ھ: کتاب الاصل۔ جلد ۲۔ مصارف زکوٰۃ کی بحث۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء، طبعہ اولیٰ۔ تصحیح و تعلیق: ابوالوفا افغانی۔ حواشی ہدایہ نیز عینی نے سروجی کے حوالے سے امام اعظم کے ہاں فی سبیل اللہ کا مصداق حجاج و غزاۃ اور اہل الجہاد کو قرار دیا گیا ہے۔ ہدایہ: ۱۸۵/۱، حاشیہ ۵۔ محولہ بالا۔ لیکن یہ محض کھینچ تان ہے۔ معروف حنفی مراجع میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ابن رشد مالکی نے البتہ

امام مالک کے ساتھ حضرت ابوحنیفہ کے ہاں 'فی سبیل اللہ' کا مصداق 'مواضع الجہاد' 'الرباط' کو قرار دیا ہے۔ بدایۃ المجتہد: ۱/۲۷۷، دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء طبعہ سادسہ۔

۳؎ ابو الحسین القدوری م ۴۲۸ھ: مختصر القدوری مع حاشیہ التنقیح الضروری/۴۹۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ نیز کنز الدقائق للنسفی /۶۴، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی۔

۴؎ ہدایہ: ۱/۱۸۵، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، نیز: شرح وقایہ مع حاشیہ عمدۃ الرعایہ: ۱/۲۹۶ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۷ھ۔

۵؎ ہدایہ، حوالہ سابق، صاحب بدائع کے مطابق اس شرط سے 'عاملین' کا استثناء ہے بحوالہ زکوٰۃ کے مستحق /۱۲۳۔ محولا بالا ہدایہ میں اس مصرف کے بیان سے مترشح ہے کہ احتیاج کی شرط عاملین کے ساتھ بھی ہے اور ان کا اس سے استثناء نہیں ہے۔ ہدایہ: /۱۸۵۔ جبکہ صاحب روح المعانی البحر الرائق کے حوالہ سے علی الاطلاق زکوٰۃ کے جملہ مصارف میں فقر و احتیاج کو شرط قرار دیتے ہیں۔ بحوالہ زکوٰۃ کے مستحق ۱۶۳، محولہ بالا۔

۶؎ کاسانی بحوالہ عشر و زکوٰۃ /۵۲،۵۱ محولہ بالا۔

۷؎ اس کی تفصیل کے لیے مولانا قادری اور یوسف القرضاوی کے علاوہ خاص طور پر مولانا شہاب الدین کی مذکورہ کتاب اور رسالہ کے متعلقہ صفحات۔

۸؎ مدرسۃ الاصلاح میں اپنے سے سینیر ایک اصلاحی قاسمی قابل احترام استاد حدیث و فقہ کا تاثر۔

۹؎ سلطان پور یوپی کے عربی مدارس کی کیفیت۔ روایت مرحوم ڈاکٹر محمود خاں ریڈر شعبۂ نباتیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ جو عرصہ تک سلطان پور کے کے۔ این۔ آئی کالج میں لکچرر رہے اور وہاں کی تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں میں انتہائی سرگرم مخلصانہ رول ادا کیا۔

۱۰؎ زیر بحث آیت کریمہ کی مستقل مد 'عاملین زکوٰۃ' زکاۃ کے کارندوں سے خود بخود واضح ہے کہ زکوٰۃ لوگوں سے اجتماعی طور پر وصول کر کے اسلامی حکومت کے بیت المال میں داخل کی جائے گی۔ اسی طرح مشہور حدیث نبوی کے ٹکڑے 'امیروں سے لی جائے گی اور غریبوں کو دی جائے گی، سے اس پر اضافہ نکلتا ہے کہ اجتماعی طور پر وصول کیے جانے کے ساتھ اس کی تقسیم بھی اجتماعی طور پر کی جائے گی۔ روایت کی تفصیل کے لیے: نیل الاوطار: ۴/۱۱۴۔ مکتبہ دار التراث، القاہرہ زکوٰۃ کے کارندوں میں اس کے خاص ذمہ دار کے ساتھ اس کا جملہ معاون اسٹاف اس میں شامل ہے اور زکوٰۃ کے اس مصرف کا اطلاق ان سب پر یکساں ہے۔ تفصیل کے لیے: ہدایہ: ۱/۱۸۵

محولہ بالا نیز المغنی لابن قدامہ: ۶/۴۲۴ ۔مکتبۃ الجمہوریۃ العربیہ، مصر۔صاحب جلالین حافظ سیوطی بھی اس کی تفسیر میں متعلقہ جملہ اصناف کو شامل مانتے ہیں ۔تفسیر الجلالین /۲۸۰۔ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۴ء ، طبعہ اولیٰ ۔

۱۱؎ مغنی: ۲/۶۴۳ طبع مذکور۔اموال ظاہرہ کا مطلب صاف ہے وہ مال جو آنکھوں کے سامنے ہو، کھیتی، باغ، مویشی اور مال تجارت وغیرہ۔اس کے مقابلے میں اموال باطنہ، سونا چاندی، درہم ودینار اور آج کے زمانہ میں بعض صورتوں میں بینک کی جمع شدہ رقم بھی اس میں شامل کی جاسکتی ہے۔

۱۲؎ مغنی، حوالہ سابق ۔ ۱۳؎ مغنی: ۲/۶۴۲ ۱۴؎ مغنی: ۲/۶۴۱ تا ۶۴۴

۱۵؎ فرائد قاسمیہ /۳۸ ۔حضرت قاسم العلوم کے غیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ۔جمع کردہ مولانا سید عبدالغنی پھلاودی۔مقدمہ وتعارف مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہوی شائع کردہ: ادارہ ادبیات۔دہلی ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء ۱۶؎ اس موقع پر اصل میں 'فی سبیل اللہ' والوں پر ہے جو غالباً سہو کتابت ہے۔

۱۷؎ فرائد /۳۹۔۴۰

۱۸؎ ۲۶، ۲۷ 'معلم اظہار ابطلان پر قادر ہو' الخ 'بے قیام عالم علوم دین ممکن نہیں' الخ

۱۹؎ اصل میں اس طرح ہے۔بظاہر یہاں 'چندہ' کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔

۲۰؎ فرائد قاسمیہ /۴۱ محولا بالا۔

۲۱؎ اس کی تفصیل کے لیے زکوٰۃ کے مستحق از مولانا شہاب الدین ندوی ص۱۷ ما بعدہا زیر عنوان: فقہ حنفی میں اشاعت علم کے لیے فقر واحتیاج کی شرط غیر ضروری ہے ۔نیز: زکوٰۃ اور علماء ص۱۰ اور اس سے آگے۔

۲۲؎ اس کے بعض حوالوں کے لیے ہمارا منتظر طبع رسالہ 'مسلمان اقلیتوں کا مطلوبہ کردار' جس کا نقش اول زندگی نونئی دہلی جون ۱۹۸۷ء تا جنوری ۱۹۸۸ء میں شائع ہوچکا ہے۔

۲۳؎ رشید رضا مصری فی المنار بحوالہ مصارف زکوٰۃ /۸۳ ۔ڈاکٹر قرضاوی خود بھی اس رائے کے ناقد ہیں، حوالہ سابق /۸۴ ۔ آگے وہ اس پر ابن عربی مالکی کی تنقید بھی نقل کرتے ہیں جو غازی کے لیے احتیاج کی شرط کو ضعیف اور اسے کتاب اللہ پر ایک طرح سے اضافہ قرار دیتے ہیں۔حوالہ مذکور /۸۵ ابن عربی کی رائے بحوالہ احکام القرآن: ۲/۱۵۷۔

۲۴؎ اس موقف کے قائلین میں خاص طور پر امام رازی بحوالہ عشر وزکوٰۃ /۵۰ ۔نیز شوکانی فی نیل الاوطار بحوالہ ترجمان القرآن ۳/۸۹۳۔ ۸۹۴ ۔ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی۔ بار اول ۱۹۲۸ء ۔

۲۵ ہدایہ: ۱/۱۸۵۔ ابن رشد مالکی امام المسلمین کے حوالہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ امام مالک کا بھی یہی مسلک بیان کرتے ہیں۔ بدایۃ المجتہد: ۱/۲۷۵۔ محولہ بالا۔

۲۶ رازی بحوالہ عشر و زکوٰۃ /۵۰، ۵۱۔

۲۷ ہدایہ: ۱/۱۸۵۔ بدایۃ المجتہد میں اس قید کے بغیر حضرت امام شافعی کے ہاں مطلق زکوٰۃ کے جملہ آٹھوں مصارف میں اس کی رقم کے صرف کرنے کی بات کہی گئی ہے: ۱/۲۷۵۔ امام سیوطی شافعی کے یہاں البتہ ہر مصرف میں تین کی قید کی صراحت ہے۔ تفسیر الجلالین /۲۵۰۔ محولہ بالا۔

۲۸ متعلقہ آیات قرآنی اوران کا ترجمہ یہ ہے۔ ومنہم من یلمزک فی الصدقٰت فان اعطوا منہا رضوا وان لم یعطوا منہا اذا ھم یسخطون ○ ولو انہم رضوا ما اٰتاھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون ○ (توبہ: ۵۸-۵۹) (اور اے نبیؐ ان منافقین میں سے کچھ ہیں جو آپ کے زکوٰۃ بانٹنے کے طریقے پر اعتراض کرتے ہیں، اگر انھیں اس سے دیا جائے تو وہ خوش رہتے ہیں۔ لیکن اگر انھیں اس سے نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسولؐ انھیں جو کچھ دے رہے ہیں اگر وہ اس پر خوش رہتے اور یہ کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ عن قریب اللہ اپنے فضل سے اپنے رسول کی معرفت انھیں نوازیں گے۔ ہم پورے طور پر اللہ کی طرف متوجہ اور اس سے آس لگائے ہوئے ہیں، تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا) اس کے فوراً بعد ہی زیر بحث آیت کریمہ ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ صدقات و زکوٰۃ کی رقم ان خود غرض منافقین کا نہیں بلکہ اصلاً یہ فقرا اور مساکین الخ کے لیے ہے۔

۲۹ الحمدللہ کہ یہ خیال ہمارے ذہن میں اس سے پہلے آیا تھا لیکن اس کے اظہار سے ڈر لگتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تائید سے اس کی ہمت ہوئی۔ حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۴۵۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی، طبع اولیٰ ۱۳۷۳ھ۔

۳۰ تفصیل کے لیے: مولانا شہاب الدین ندوی کی کتاب اور رسالہ کے محولہ صدر مباحث

۳۱ حال کے لوگوں میں اس کے قائلین میں مولانا قادریؒ اور مولانا شہاب الدین ندوی کے علاوہ خاص طور پر ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی نکتہ آفرینیاں بعض جزئیات میں اختلاف آرا کی گنجائش کے باوجود بڑی دلچسپ اور لائق توجہ ہیں۔ مشنریز اور کمیونسٹوں کے توڑ میں دینی مدارس اور اسلامی شفاخانے کا ایک ایسا ہی نکتہ ہے جو اپنے قاری کو متوجہ کیے بغیر نہیں رہتا۔ مصارف زکوٰۃ /۱۰۵، ۱۰۶۔ محولہ بالا۔ دعوتی و تربیتی مراکز، اسلامی صحافت کا فروغ نیز بنیادی اہمیت کی حامل کتابوں کی وسیع پیمانے پر

اشاعت وغیرہ بھی وہ نکات ہیں جو آج کے حالات میں عیسائیت والحاد کی یورش کے پس منظر میں 'فی سبیل اللہ' کے مصرف کی بحث میں خاص طور سے توجہ کے طالب ہیں۔ صفحات ۱۱۵-۱۱۶۔ حوالہ سابق پیش رو بزرگوں میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ پہلے سے فی سبیل اللہ میں توسع کے قائل ہیں۔ جو دین کے احیاء اور تجدید کی کوششوں کو اس میں نمایاں طور پر شامل قرار دیتے ہیں۔ ترجمان القرآن: ۱۹/۳/۴ محولہ بالا۔ تفہیم القرآن: ۲۰۸/۲۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند بار ہفتم ۱۹۷۰ء جبکہ صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی حفظ اللہ جہاد سے لے کر دعوت دین اور تعلیم دین کے تمام کاموں کو اس میں شامل بتاتے ہیں۔ تدبر قرآن: ۱۸۲/۳۔ انجمن خدام القرآن لاہور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء توسع کے انہی قائلین میں ایک علامۃ العصر سید سلیمان ندویؒ بھی ہیں۔ سیرۃ النبی بحوالہ عشر وزکوٰۃ / ۵۳، ۵۴ محولہ بالا۔

۳۲ھ مثال کے طور پر علامہ ابن تیمیہؒ جن کی گفتگو میں صراحت ہے کہ اسلام کی اعانت وتقویت کے کاموں میں مصروف لوگوں کے لیے فقر و احتیاج کی شرط نہیں ہے۔ جبکہ یہ مصارف زکوٰۃ کا دوسرا اہم ترین مصرف ہے۔ دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴۰/۲۵۔ طبع سعودیہ۔ ترتیب: عبدالرحمن بن قاسم وابنہ محمد۔ الفاظ کے فرق سے علامہ کے شاگرد ابن قیمؒ نے بھی یہی بات کہی ہے: زادالمعاد فی ہدی خیر العباد: ۹/۲ موسستہ الرسالہ بیروت، طبع ثامن ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اس مصرف پر گفتگو سے بھی اس کی وسعت کا اشارہ نکلتا ہے۔ نیز اس میں دوسرے نئے نکات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ: ۴۵/۲۔ محولہ بالا۔

۳۳ھ فی سبیل اللہ کے ہمارے اس اختیار کردہ توسع کے حق میں ایک رائے مولانا گوہر رحمٰن کی بھی ہے۔ جو دینی مدارس اور دعوتی وتبلیغی تنظیموں کے تمام اخراجات زکوٰۃ کے فنڈ سے پورے کیے جانے کے قائل ہیں۔ جس میں طلبہ کے وظائف اور خورد ونوش کے علاوہ عملہ واساتذہ کی تنخواہیں اور کتابوں کی خریداری سب شامل ہے۔ ساتھ ہی وہ نادار طلبہ کے علاوہ دیگر مصارف مدرسہ میں زکوٰۃ صرف نہ کیے جاسکنے کے حنفی مسلک کو دلائل کے اعتبار سے کمزور بتاتے ہیں۔ البتہ ہر قسم کے سماجی اور رفاہی کاموں میں وہ توسع کے قائل نہیں۔ اس لیے کہ وہ نیکی کے کام تو ہیں مگر جہاد نہیں۔ جہاد وہ جس میں تلوار کے جہاد کے ساتھ زبان اور قلم کا جہاد شامل ہے۔ ملاحظہ ہو

- ترجمان القرآن لاہور جون ۱۹۸۳ء مقالہ: مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ کے سوالنامے کا جواب (بہ سلسلۂ عشر وزکوٰۃ) علامہ ناصر الدین البانی جو 'حصر' کے معاملے میں شدت رکھتے ہیں انھوں نے بھی 'فی

سبیل اللہ' کے توسع میں ہر طرح کے رفاہ عام کے کام کو ہی ناپسندیدہ کہا ہے۔ بامقصد دینی اور دعوتی سرگرمیوں کو اس میں شامل نہیں کیا ہے۔ دیکھئے: ماہنامہ محدث بنارس ۱۹۸۳ء مضمون: علامہ البانی اور مجاہدین افغانستان۔ جبکہ علامہ رشید رضا مصری اپنی تفسیر میں مدارس دینیہ کے طلبہ واساتذہ نیز دینی اور دعوتی سرگرمیوں میں مصروف علماء کو آج کے زمانہ میں 'فی سبیل اللہ' کے مصداق میں سرفہرست خیال کرتے ہیں۔ المنار بحوالہ عشر وزکوٰۃ /۵۳-۵۸، ۵۹۔ محولہ بالا۔

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی نے اپنی اردو اور انگریزی مطبوعات کے علاوہ دیگر اہم مکتبوں کی بلند پایہ علمی ودینی کتب کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔ تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام سے متعلق چند اہم کتب کی فہرست دی جارہی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب بھی یہاں سے فراہم کی جاسکتی ہیں۔ مینجر

فی ظلال القرآن دوم	۸۵/-	تدوین حدیث (مولانا مناظر احسن گیلانی)	۷۰/-
" سوم	۱۰۰/-	تاریخ الخلفاء (امام سیوطی)	۷۵/-
" پارہ عم	۹۰/-	مقدمہ ابن خلدون ۲ جلدیں	۱۵۰/-
تفہیم القرآن مکمل ۶ جلدیں	۵۰۵/-	سیرت النبی (ابن ہشام) ۲ جلدیں	۲۲۵/-
تلخیص تفہیم القرآن	۱۶۰/-	رحمۃ للعالمین	۱۲۵/-
ترجمۂ قرآن (مختصر حواشی)	۹۰/-	سیرت سرور عالم مولانا مودودیؒ اول دوم	۱۴۰/-
تفسیر ابن کثیر مکمل	۴۷۰/-	الفاروق	۳۰/-
بخاری شریف مکمل (مترجم)	۴۹۰/-	حیات ابو حنیفہ (ابوزہرہ مصری)	۷۵/-
مسلم شریف " "	۳۵۰/-	رسول رحمت (ابوالکلام آزاد)	۱۲۵/-
ترمذی شریف دو جلدیں	۲۶۰/-	انبیاء کرام "	۴۰/-
ابوداؤد شریف ۳ جلدیں	۲۹۰/-	محمد رسول اللہ (توفیق الحکیم)	۵۰/-
سنن ابن ماجہ	۱۹۰/-	تاریخ افکار وعلوم اسلامی اول ودوم	۷۰/-
سنن نسائی	۲۹۰/-	سیرت النبی (علامہ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی) مکمل	۳۰۰/-

پانے والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲